تعارف

دین کی اشاعت اور عقائد کی اصلاح کے مقصد سے مختلف موضوعات پر کل ہند جمعیۃ المشائخ کی جانب سے شائع شدہ مفید و معلوماتی کتب کو عوام و خواص میں الحمد للہ بڑی مقبولیت حاصل ہو چکی ہے۔ مقالہ ہذا کی اشاعت اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

بتاریخ ۹ مئی ۱۹۹۹ء مولانا آزاد اورینٹل انسٹیٹیوٹ کی دعوت پر باغ عامہ ہال میں "مثنوی شریف مولانا روم ـ ایک تجزیہ" کے زیر عنوان صدر کل ہند جمعیۃ المشائخ مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری نے اپنا ایک نہایت معلومات آفریں عالمانہ تحقیقی مقالہ پڑھا اور شائقین کے ذوق علمی کو نہ صرف تسکین بخشی بلکہ اپنے مخصوص انداز اور دلپذیر ترنم میں "مثنوی معنوی" کے اشعار سنا کر ایک وجدانی کیفیت سی پیدا کر دی۔ اس علمی محفل کے نگران جناب محمود بن محمد سابق سفیر ہند برائے سعودی عرب نے محترم مقالہ نگار کی اس علمی کاوش کو خوب سراہا۔ اس موقع پر آڈیٹوریم باذوق سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جو کامل انہماک و دلچسپی کے ساتھ شروع تا آخر مقالہ سنتے اور محظوظ ہوتے رہے۔

مختلف علمی حلقوں کی جانب سے اس گراں قدر مقالہ کی اشاعت پر اصرار کیا گیا۔ تو مولانا سید محمد عارف الدین جیلانی نوری سجادہ نشین و معزز رکن عاملہ جمعیۃ نے سابق کی طرح اب بھی اپنے فراخدلانہ تعاون کے ذریعہ طباعت کا مکمل اہتمام فرمایا جسکے لئے جمعیۃ بے حد ممنون ہے۔ نیز مولانا سید شاہ مظہر حسینی صابری مشیر اعلیٰ جمعیۃ نے بھی اس کار خیر میں خصوصی دلچسپی لی جس پر جمعیۃ اظہار تشکر کرتی ہے۔

دعا ہے کہ کل ہند جمعیۃ المشائخ کی ان دینی و ملی خدمات کو رب العزت قبول فرمائے اور عامۃ المسلمین اس سے مستفید ہوں فقط۔

فقیر
محمد اعظم الدین صدیقی قدیری
معتمد کل ہند جمعیۃ المشائخ

مرقوم ۹ مئی ۱۹۹۹ء
م ۲۳ صفر المظفر ۱۴۲۰ ہجری
بروز یکشنبہ

ہو المعز

مثنوی شریف مولانا روم رح ۔ ایک تجزیہ

یعنی

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

کی مثنوی معنوی پر

ایک عالمانہ تحقیقی مقالہ

نگارش

مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری

(صدر کل ہند جمعیۃ المشائخ)

بحسن تعاون

مولانا سید محمد عارف الدین جیلانی نوری سجادہ نشین و معزز رکن عاملہ جمعیۃ

منجانب

کل ہند جمعیۃ المشائخ

حیدرآباد (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مثنوی شریف مولانا روم ؒ - ایک تجزیہ

الحمد لله و كفىٰ والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله المصطفىٰ و علىٰ آله و صحبه مصابيح الصدق والصفا۔ اما بعد فقال الله تعالىٰ فى الكتاب القديم و الخطاب العظيم۔ اعوذبالله من الشيطٰن الرجيم۔ بسم الله الرحمن الرحيم۔ اللّٰه يجتبىٓ اليه من يشآء و يهدىٓ اليه من ينيب o (شوریٰ ۔ ۱۳)

بنی آدم کو اخلاقی تربیت دینے اور انھیں بندگی کا سلیقہ سکھانے کے مقصد سے اللہ تعالیٰ ابتدائے آفرینش ہی سے انبیاء و مرسلین کو مبعوث فرماتا رہا جنکا نورانی سلسلہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ذات اقدس پر اختتام کو پہنچا۔ اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئیگا اور نہ کوئی رسول پیدا ہوگا۔ البتہ بندگانِ خدا کو حقانیت کی تعلیمات سے آشنا کرنے اور خدا رسی و حق شناسی کی راہ پر گامزن کرنے کا مقدس فریضہ ' حضرت خاتم النبین ﷺ ہی کی امت مرحومہ میں پیدا ہونے والے خاصان خدا کی جانب سے رہتی دنیا تک انجام پاتا رہے گا جنھیں علماء و مفسرین اور آئمہ و محدثین یا پھر مشائخ و صوفیہ اور اولیاء و صالحین کے مبارک القاب سے یاد کیا جاتا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے "العلماء ورثة الانبيآء" یعنی علماء' انبیاء کے (علمی) وارث ہیں" جنکی فضیلت و عظمت کا ذکر دوسری حدیث شریف میں اسطرح ہے "علماء امتى كانبيآ بنى اسرائيل" یعنی میری امت کے علماء' بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں یعنی یہ علماء نبی تو نہیں لیکن انبیآء کرام کی شان اور صفات کے مظہر ہیں۔ علماء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو علم ظاہر کے میدان کے شہسوار جو ظاہری یا جسمانی پاکیزگی کی تعلیم دیتے ہیں اور دوسری قسم علم باطن کے آسمان کے شاہین جو تزکیۂ نفس' تصفیہ قلب اور روحانی بالیدگی کی عملی تربیت دیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں بارگاہ ایزدی میں سر جھکانے کا طریقہ علماء ظاہر بتاتے ہیں تو دل جھکانے کا سلیقہ اولیاء و صوفیہ سکھاتے ہیں۔ اور یہ دونوں علوم دراصل شجر نبوت ہی کی دو شاخیں ہیں جنکے جامع صحابہ کرام ہوا کرتے تھے۔ علمائے حق یا صوفیہ و مشائخ کا رتبہ حاصل کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں وما توفيقى الا بالله ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چنانچہ قرآن حکیم کی سورۃ شوریٰ کی آیت (۱۳) جس کو میں نے اپنا سرنامۂ سخن بنایا ہے اور جس کی تلاوت کا

ابھی شرف بھی حاصل کیا ہے اسی حقیقت کی ترجمانی کرتی ہے جس میں ارشادِ ربانی ہے" اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف چن لیتا ہے اور جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت عطا فرماتا ہے" یعنی اللہ عز و جل اپنی نوازشوں اور کرم فرمائیوں کیلئے جب اپنے کسی بندے کو منتخب کرلیتا ہے تو محض اپنی مہربانی سے اسکو اپنے قرب اور اپنی محبت سے نوازتا ہے پھر اسکو دنیا و آخرت میں گوناگوں انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔ جب بندہ خلوص نیت سے راہ حق پر گامزن ہو جاتا ہے تو پھر توفیق الٰہی اس کی دستگیری کرتی ہے اور اسے منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے۔ ایسے محبوبانِ خدا ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور آگے بھی جنم لیتے رہیں گے۔ مگر

ایں دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

آج میرے اس مقالہ کا مرکزِ نگاہ بھی ایسا ہی ایک مرد حق آگاہ ہے جس نے ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) کے دوران اپنے علمی کمالات اور عرفانی تصرفات کے ذریعہ دنیائے علم و دانش میں ایک تہلکہ مچادیا تھا۔ وہ عابد بھی تھا اور زاہد بھی ' فقیہہ بھی تھا محدث بھی ' مفسر بھی تھا مقرر بھی ' خطیب بھی تھا ادیب بھی' شاعر بھی تھا عرفانیات کا ماہر بھی اور اس پر مزید یہ کہ صوفی باصفا بھی تھا اور عارف کامل بھی۔ میری مراد حضرت مولانا جلال الدین محمد بن محمد بلخی رومی قدس سرہ کی عبقری شخصیت سے ہے جو عرف عام میں "مولائے روم" یا "مولانا روم" اور "عارف رومی" کے محترم القاب سے جانی پہچانی جاتی ہے اور "مثنوی معنوی" کے نام سے اخلاق و تصوف پر آپ کی معرکۃ الآرا کتاب ایک ایسا علمی شاہکار ہے جس کے علمی انوار و برکات سے آج بھی ایک زمانہ ہے کہ اکتساب فیض کررہا ہے۔ میرے مقالہ کا عنوان ہے "**مثنوی شریف مولانا رومؒ۔ ایک تجزیہ**" یہ عنوان میرے لئے اسلئے بھی دلچسپ اور پر کشش ہے کہ کمسنی ہی سے میرے کان نہ صرف اس کے مترنم اشعار سے آشنا رہے ہیں بلکہ اس سے مجھے والہانہ شغف رہا ہے کیونکہ مجھے دکن کے ایک ایسے عالم صوفی گھرانے میں آنکھیں کھولنے اور پروان چڑھنے کا شرف حاصل ہے جس میں قال اللہ اور قال الرسول کے ساتھ ساتھ مثنوی معنوی کے درس کا حصول لازم و ملزوم ہے۔ میرے والد ماجد سید الصوفیہ مفتی سید شاہ احمد علی صوفی نور اللہ مرقدہ اپنے مخصوص ترنم والحان کے ساتھ جب کسی محفل میں مثنوی شریف کے اشعار سناتے اور اپنے عارفانہ و صوفیانہ انداز میں نکتہ سنجیاں بیان کرتے تو سامعین پر ایک وجدانی کیفیت سی طاری ہو جاتی۔ علاوہ ازیں کوئی پچیس سال تک آپ اپنے زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "رسالہ صوفی اعظم" میں "مثانی الصوفی علی مثنوی الرومی" کے نام سے مثنوی شریف کا اسی کی بحر میں اپنا منظوم اردو ترجمہ اور اس کی دلپذیر شرح شائع فرماتے رہے۔

مثنوی شریف کا تجزیہ پیش کرنے سے قبل مولانا جلال الدین رومیؒ کی حیات مبارکہ کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا اور خصوصیت سے اس اہم واقعہ کا ذکر کرنا ضروری ہے جو در اصل مثنوی شریف نظم کرنے کا محرک ثابت ہوا اور جس کے بعد آپ کی زندگی کی کایا ہی پلٹ گئی۔

مولانا رومی علیہ الرحمہ ربیع الاول ۶۰۴ ہجری (۱۲۰۷عیسوی) میں بمقام بلخ اپنے والد بہاء الدین بن حسین بلخی کے گھر میں چشم و چراغ بن کر پیدا ہوئے جنکا سلسلۂ نسب خلیفۂ اول حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے اور جو خود علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔ محمد خوارزم شاہ مولانا کا حقیقی نانا تھا۔ چھ سال کی عمر میں آپ اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ بلخ چھوڑ کر نیشاپور آئے جہاں خواجہ فرید الدین عطار علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اپنی مثنوی ''اسرار نامہ'' بطور ہدیہ دیتے ہوئے آپکے والد بہاء الدین کو اس جانب توجہ دلائی کہ آپ کا کمسن صاحبزادہ جوہر قابل ہے اس سے غافل نہ رہنا کیونکہ یہ ایک دن غلغلہ بلند کرے گا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد کے پاس حاصل کرنے کے بعد والد ہی کے شاگرد و مرید خاص مولانا سید برہان الدین محقق کی اتالیقی میں تربیت پائی۔ نیشاپور سے بغداد پھر حجاز و شام سے ہوتے ہوئے لارندہ پہنچے تو آپ کی عمر (۱۸) سال تھی جبکہ والد نے آپکی شادی کردی۔ (۲۵) سال کی عمر ہوئی تو ۶۲۹ ہجری میں آپ کے والد نے وفات پائی جس کے بعد تکمیل علوم کے لئے دمشق پہنچے اور وہاں سات سالہ قیام کے دوران جملہ علوم جیسے ادب ' فقہ ' تفسیر ' حدیث وغیرہ معقول و منقول میں کمال حاصل کیا۔ تاتاریوں کے حملوں کے دوران زمانہ کے انقلاب نے آپ کو قونیہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا جو آج ترکی میں واقع ہے۔ یہاں استاد محترم سید برہان الدین محقق سے نو برس تک اگرچہ کہ علمِ باطن کی تحصیل کی اور سلوک طریقت طے کئے لیکن اس کے باوجود مولانا روم علیہ الرحمہ پر علوم ظاہری کی چھاپ گہری تھی چنانچہ دینی علوم کا درس دیا کرتے۔ وعظ کرتے۔ فتوے صادر کرتے لیکن سماع سے احتراز کیا کرتے تھے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں اس وقت ایک انقلاب رونما ہوا جبکہ قونیہ میں ایک صوفی منش اور عارف باللہ درویش یعنی حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ مختلف تذکرہ نویسوں نے آپ کی اس یادگار تاریخی ملاقات کے بارے میں مختلف روایات لکھی ہیں جنکا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو انکے پیر و مرشد بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ روم جاؤ۔ وہاں ایک دل سوختہ ہے اس کو گرم کر آؤ۔ چنانچہ پیر کی تعمیلِ حکم میں کسی طرح وہ قونیہ پہنچے۔ ایک دن عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر اپنے تلامذہ کے درمیان بیٹھے درس دے رہے تھے۔ اطراف کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اتفاقاً شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کسی طرف سے وہاں آنکلے اور سلام کر کے پہلے بیٹھ گئے پھر مولانا سے مخاطب ہو کر

کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "یہ سب کیا ہے؟" مولانا نے جواب دیا "یہ وہ چیز ہے جسکو تم نہیں جانتے۔" یکایک کتابوں میں آگ لگ گئی جسے دیکھتے ہی مولانا کے منہ سے بے ساختہ وہی جملہ نکلا جو شمسؒ نے پوچھا تھا کہ "یہ سب کیا ہے؟" جواباً حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ہی کے الفاظ دہرادئے کہ "یہ وہ چیز ہے جس کو تم نہیں جانتے" ایک دوسری روایت میں اسکا بھی ذکر ہے کہ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں وہیں پاس واقع ایک حوض میں پھینک دیں تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے رنجیدہ ہو کر کہا کہ میاں درویش! تم نے ایسی نادر کتابیں ضائع کردیں جواب کسی طرح مل نہیں سکتیں۔ فوراً حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ نے حوض میں اپنا ہاتھ ڈالا اور ایک ایک کر کے ساری کتابیں نکال کر کنارے پر رکھدیں۔ لطف کی بات یہ تھی کہ کتابیں بالکل خشک حالت میں تھیں جن پر پانی کی تری یا نمی کا نام تک نہ تھا۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا "یہ عالم حال کی باتیں بھلا تم کیا جانو۔" مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس قدر متاثر ہوے کہ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔" صاحب مناقب العارفین" نے لکھاہے کہ یہ حیرت انگیز واقعہ ۶۴۲ ہجری کا ہے جس کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مسند نشینی فقر کی ابتدائے تاریخ سے تعبیر کیا جا سکتاہے۔ پیر و مرشد کی صحبت نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حالت میں وہ نمایاں تغیر پیدا کردیا کہ درس و تدریس اور وعظ و فتویٰ سب چھوڑ بیٹھے اور شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے دم بھر کیلئے جدا نہیں ہوتے جس کے باعث شہر قونیہ میں ایک شورش مچ گئی۔ فتنہ کے خوف سے حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ چپکے سے دمشق چلدئے جس سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا صدمہ ہوا۔ آپ کی تڑپ اور بیقراری دیکھ کر دمشق سے شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو پھر قونیہ لایا گیا مگر چند دنوں بعد ایک روایت کے مطابق انھیں شہید کردیا گیا۔ بہر حال شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی نے عرصہ تک آپ کو بیتاب و بیقرار رکھا۔ اسی دوران ایک روز راستہ مین شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کی دوکان کے سامنے سے گذر ہوا جو چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے۔ وقفہ وقفہ سے ہتوڑے کی آواز نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ پر سماع کا اثر پیدا کردیا اور وہیں آپ پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی جسے دیکھ کر شیخ زرکوب نے کوٹنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس میں بہت سی چاندی ضائع ہوگئی۔ بالآخر شیخ دوکان سے باہر نکل آئے اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے لپٹ گئے۔ ظہر تا عصر اسی کیفیت مین مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر گنگناتے رہے

یکے گنجے پدید آمد ازیں دوکان زرکوبی زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

شیخ زرکوبؒ نے کھڑے کھڑے وہیں اپنی دوکان لٹوادی اور اپنا دامن جھاڑ کر مولانا کے ہمراہ ہوگئے انھیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد سے تلمذ تھا اور سید برہان الدین محقق سے بیعت حاصل تھی۔ اسطرح صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کی قریب نو سال تک ہمنشینی اختیار کی جنکی ۶۶۴ ہجری میں وفات ہوگئی تو پھر اپنے ہی ایک عقیدت

کیش ضیاء الحق حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہمدم و ہمراز بنا لیا اور آخری دم تک ان سے جدا نہ ہوئے۔
۶۷۱ھ ہجری میں قونیہ میں بڑا شدید ہیضہ پھیلا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی علیل ہوگئے اور فرمایا زمین بھوکی ہے، لقمہ تر چاہتی ہے۔ شیخ صدر الدین نے شفا کے لئے دعا کی تو فرمایا ''شفا آپ کو مبارک ہو' عاشق و معشوق میں بس ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اٹھ جائے اور نور نور میں مل جائے'' بالآخر بتاریخ ۵ جمادی الاخریٰ ۶۷۲ھ ہجری (۱۲۷۳عیسوی) یکشنبہ کے دن 'دنیاوی آفتاب کے غروب ہونے کے وقت علم و عرفان کا یہ آفتاب بھی غروب ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ صبح جنازہ اٹھا تو بادشاہِ وقت کے علاوہ بوڑھے ' جوان ' بچے ' امیر ' غریب اور علماء و مشائخ ہر طبقہ کے لوگ ساتھ تھے۔ صدمہ سے ہزاروں لوگ چیخیں مار مار کر روتے اور بہت سوں نے تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ یہودی و عیسائی فرقہ کے لوگ تورات و انجیل پڑھتے ہوئے جنازے کے ساتھ ساتھ چلتے تھے اور کہتے یہ شخص تمہارا محمد تھا تو ہمارا موسیٰ و عیسیٰ تھا تابوت کے ٹکڑے توڑ توڑ کر عقیدت مند تقسیم کر لیتے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ حسب وصیت نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے تو ایک چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے۔ بالآخر قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی اور قونیہ (موجودہ ترکی) کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ آج بھی آپ کا آستانہ خلائق کا مرجع اور فیضان کا منبع بنا ہوا ہے۔

حضرت جامی قدس سرہ السامی اپنی کتاب ''نفحات الانس'' میں رقمطراز ہیں کہ مثنوی شریف کے آغاز کا سبب یہ ہوا کہ حسام الدین چلپی نے جب دیکھا کہ احباب و اصحاب کا زیادہ تر میلان حکیم سینائی کے منظوم ''الٰهی نامه'' اور شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی مثنویوں ''منطق الطیر'' وغیرہ کی جانب ہے تو انھوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ الٰہی نامہ یا منطق الطیر کے طرز پر کوئی مثنوی تحریر فرمائیں تو دوستوں کے لئے یادگار رہے گی اور آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ اسی وقت آپ نے اپنی دستار سے ایک کاغذ نکال کر حسام الدین چلپی کے ہاتھ میں دے دیا جس پر مثنوی معنوی کے ابتدائی اٹھارہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ پہلے شعر کا مصرع اول تھا

''بشنو از نے چوں حکایت می کند''

اور آخری شعر کا مصرع ثانی تھا

''پس سخن کوتاہ باشد والسلام''

پھر مولاناؒ نے فرمایا حسام الدین ! تمھارے دل میں اس کی خواہش پیدا ہونے سے قبل ہی عالم غیب کی

جانب سے میرے دل میں یہ بات ڈالدی گئی کہ ایسی ہی کوئی مثنوی لکھوں۔ بس اسکے بعد سے مثنوی نظم کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کے پہلے حصہ سے طلوع فجر تک مولانا رحمۃ اللہ علیہ اشعار کہتے جاتے اور حسام الدین چلپی انھیں لکھتے جاتے پھر ختم پر وہ سب اشعار مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھ کر سناتے۔ مثنوی لکھنے کا آغاز ۶۶۲ھ ہجری میں ہوا جسکا ذکر خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی میں یوں فرماتے ہیں۔

مطلع تاریخ ایں سودا و سود ☆ سال ہجرت ششصد و شصت و دو بود

بقول مولانا شبلی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ قرائن صاف بتاتے ہیں کہ حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات سے پہلے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے شاعرانہ جذبات و احساسات انکی طبیعت میں اسی طرح پنہاں تھے جسطرح پتھر میں آگ ہوتی ہے۔ شمس رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی نے گویا چقماق کا کام کیا اور اسکے شرارے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی پرجوش غزلوں اور عارفانہ مثنوی کی شکل میں رونما ہوئے۔ پچاس ہزار اشعار پر مشتمل آپکے مرتبہ دیوان میں آپ نے کسی جگہ بھی اپنا تخلص استعمال نہیں کیا بلکہ کئی جگہ اپنے پیر و مرشد حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہی استعمال کرتے ہوئے ان سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کیا جس کے باعث آپ کے دیوان پر حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان ہونے کا مغالطہ ہوتا ہے۔

مثنوی کے نظم کرنے کی تحریک کے پیچھے حسام الدین چلپی کی بڑی جستجو رہی ہے جنکی بیوی کی وفات کے بعد اسکا سلسلہ رک گیا تھا لیکن کچھ وقفہ کے بعد انھوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی کی تکمیل پر اصرار کیا تو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے پھر توجہ فرمائی اور اشعار کے جملہ چھ دفتر (یعنی ابواب) لکھ ڈالے اور بطور حسن تعلیل درمیان میں وقفہ پڑ جانے کی آپ نے اس شعر کے ذریعہ کیا ہی معنی خیز تاویل پیش کی ہے۔

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد ☆ مہلتے بایست تاخوں شیر شد

تانزاید بخت نو فرزند نو ☆ خوں نہ گردد شیر شیریں خوش شنو

یعنی جس طرح خون کو (ماں کے سینے) میں دودھ بن کر آنے میں وقت لگتا ہے اسی طرح مولانا کے سوز و ساز جگر کو اشعار کے روپ میں تبدیل ہونے کیلئے بھی کچھ تاخیر ہوگئی۔ جب تک خوش قسمتی سے نومولود فرزند پیدا نہیں ہوتا اس وقت تک خون بھی میٹھے اور خوشبودار دودھ میں تبدیل نہیں ہوتا۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں حسام الدین چلپی کی جو عزت اور محبت تھی اس کا مولانا نے یوں اظہار کیا ہے کہ مثنوی کے چھ دفتروں میں صرف پہلے دفتر کو چھوڑ کر باقی ہر دفتر میں حسام الدین چلپی کا ذکر جمیل مولانا نے بڑے احترام سے کیا ہے۔ کسی شعر میں آپ نے ان کو ضیاء الحق فرمایا تو کسی شعر میں نور انجم اور حیات دل کے القاب سے یاد فرمایا۔

حاجی خلیفہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "کشف الظنون" میں افلاکی کی "مناقب العارفین" کے حوالے سے مثنوی شریف میں موجود اشعار کی تعداد جملہ (۲۶۶۶۰) چھبیس ہزار چھ سو ساٹھ لکھی ہے جنھیں تین حصوں اور سو درجوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ "آداب طریقت" دوسرا حصہ "آداب شریعت" اور تیسرا حصہ "معرفت و حقیقت" سے متعلق ہے۔

عربی لفظ "مثنوی" منسوب ہے "مثنیٰ" سے جس سے مراد اثنیین اثنیین یعنی دو دو ہے۔ چونکہ مثنوی کے ہر شعر کا قافیہ علیحدہ ہوتا ہے مگر ہر شعر کے دو دو مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اسلیئے اس صنفِ شاعری کو مثنوی کہا جاتا ہے۔ شعر و سخن کی اصطلاح میں مثنوی سے مراد مختلف القوافی ابیات کی ایسی طویل نظم ہے جس میں تاریخی واقعات یا قصے اور حکایت ' دلچسپ اور نتیجہ خیز طریقہ سے بیان کیئے جائیں۔ اسکے اوزان مختلف ہوتے ہیں مگر عام طور پر سات وزن مروج ہیں۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مثنوی عروضی اصطلاح کی روشنی میں "بحر رمل مسدس محذوف" مین لکھی گئی ہے جسکا وزن ہے "فاعلاتن فاعلاتن فاعلن" دوبار۔ مثنوی کے الفاظ میں جو ترنم و موزونیت ہے' طرز ادا میں جو خوبی و ندرت ہے اور تراکیب میں جو نفاست و سلاست ہے وہ نہایت دلکش و دلپذیر ہے اور یہی اسکی مقبولیت کا ایک سبب بھی ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں علم کلام اپنے بام عروج پر پہنچ چکا تھا۔ صاحبانِ علم و دانش محض لاحاصل فلسفیانہ بحث و مباحث اور قیل و قال پر ہی اپنی پوری توجہ مرکوز کیئے ہوئے تھے۔ اسکے علاوہ فارسی شاعری محض پادشاہوں کی شان میں قصیدہ گوئی اور امراء کی مدح سرائی کیلیئے وقف ہوگئی تھی۔ ایسے دور میں اس مرد مومن یعنی عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی شاعری کو ایک نئی جہت عطا کی۔ گل و بلبل اور حسن و عشق کے روایتی ماحول سے شاعری کو آزاد کر کے اپنی حکایات ' تمثیلات اور تشبیہات کے ذریعہ اخلاقی اصلاح اور عرفان حق کی جانب اسکا رخ موڑتے ہوئے ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا کہ اس سے آئندہ ہر دور کے شعرائے کرام نے استفادہ کیا حتی کہ عصر حاضر میں مادی ترقی اور یوروپی فلسفہ کے دلدادہ اہل دانش بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عارفانہ افکار 'صوفیانہ مقالات اور تمام اسرار طریقت و رموز معرفت کو شاعری کا پیکر دے کر اپنے قلبی سوز و گداز کے ساتھ اسکو زیادہ سے زیادہ پر کشش اور دلپذیر بنادیا۔ آپ نے اکثر اشعار میں قرآنی آیات کی دلنشیں تشریحات کیں جسکی اہل حق نے توصیف فرماتے ہوئے مثنوی شریف کو تفسیر قرآن بلکہ باختلاف زبان قرآن قرار دیا جیسے مولانا جامی قدس سرہ السامی نے فرمایا

مثنوِیِ مولوی معنوی   ہست قرآں در زبان پہلوی

من چہ گویم وصف آں عالیجناب   نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

یعنی مولوی معنوی کی مثنوی تو پہلوی زبان (ایران میں بولی جانے والی سات فارسی زبانوں میں سے ایک زبان کا نام پہلوی ہے) میں گویا قرآن ہے۔ میں اس عالی جناب (مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) کا وصف کیا بیان کروں۔ کہ وہ پیغمبر تو نہیں ہیں لیکن کتاب رکھتے ہیں جسطرح قرآن وعظ و نصیحت بھی ہے شفا بھی ہے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ اسی طرح مثنوی معنوی بھی ان ہی خصوصیات سے عبارت قرآن کا ایسا الہامی و حقانی بیان ہے جس میں مریدوں کے لئے وعظ و نصیحت ہے ، محبوبوں کیلئے شفا و صحت ہے ، عارفوں کیلئے رشد و ہدایت ہے اور مشتاقوں کے لئے نور و رحمت ہے۔

اسکے علاوہ آپ نے مختلف عنوانات کے تحت سبق آموز حکایات اور نتیجہ خیز واقعات کو اپنی مثنوی میں ایک نئے انداز ، جداگانہ طرز اور منفرد اسلوب سے پیش کرتے ہوئے ان میں تصوف و اخلاقیات کے مفید پہلو تلاش کئے۔ نئے رجحانات اور جدید تجربات کی جستجو کو اعتماد بخشا اور اپنے اعلیٰ افکار اور جہد مسلسل کے ذریعہ اخلاص و ایمان کو اعتبار دیا جس سے ہر دور فیض یاب ہوا اور اسکا فیضان آج بھی تمام اقطاع عالم میں جاری و ساری ہے۔ آپ نے جن ایمان افروز عنوانات کو اپنے فکر انگیز اشعار کا موضوع بنایا انکی فہرست بڑی طویل ہے جن میں سے چند کا تذکرہ یہاں بے محل نہ ہوگا۔ جیسے ذات باری تعالیٰ ، نبوت وحی اور معجزہ ، جبر و اختیار ، موت و معاد ، تقدیر ، فنا و بقا ، ایمان بالغیب ، روح انسان ، عالم امر ، مجاہدہ و ریاضت ، ذکر و فکر اور مراقبہ ، وجد و حال ، خوف و رجاء ، صبر و شکر ، انوار نسبت ، اصلاحِ باطن ، حقیقیت نفس ، فیضانِ ارواح کاملین ، قرب خاص ، اخلاق حسنہ و اوصاف رذیلہ اور تصوف و صوفی وغیرہ موضوعات پر آپ نے اپنے اچھوتے طرزِ استدلال کے ذریعہ ایسے نتائج اخذ کئے ہیں جس سے اخلاق زیادہ سے زیادہ نکھر کر ستھرے اور پاکیزہ ہو جاتے ہیں۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام حقائق ربانی اور دقائق رحمانی کی ترجمانی کا خلاصہ ہے۔ باعتبار ظاہر ، بات کچھ اور ہوتی ہے لیکن باطنی اعتبار سے اس میں آپ تہ در تہ اور پہلو بہ پہلو نکات کا ذخیرہ یوں بر آمد فرماتے ہیں کہ فراق میں بھی عشق الٰہی کی چاشنی ملتی ہے لیکن اصل مقصود صرف وصال الٰہی اور فنافی الذات ہوتا ہے۔ مثلاً مثنوی شریف کے ابتدائی اشعار میں بانسبن سے توڑ کر لائی ہوئی ایک نے جب بانسری کی صورت اختیار کر کے ، اپنی سریلی آواز سنائی اور سامعین کو محظوظ کرتی ہے تو اس کو ایک عاشق حقیقی کی اپنے مالک حقیقی سے فرقت و جدائی کا شکوہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں

بشنو از نے چوں حکایت می کند   وز جدائی ہا شکایت می کند (مولانا روم ؒ)

(منظوم ترجمہ) سن تو نئے سے کیا حکایت کرتی ہے   اور جدائی سے شکایت کرتی ہے (سید الصوفیہ ؒ)

یعنی اپنی گوشِ بصیرت سے سنو کہ بانسری اپنی درد بھری آواز میں کیا حکایت بیان کرتی ہے اور اپنی فرقت کی کیا شکایت کرتی ہے۔ گویا بانسری سے مراد روح انسانی ہے جو عالَم امر سے جدا ہونے کے بعد اپنے مالک حقیقی کی فرقت کا اپنے وجد آفریں نغموں کے ذریعہ نالہ و شکوہ کرتی ہے۔

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند   وز نفیرم مرد و زن روئیدہ اند   (مولانا رومیؒ)

(منظوم ترجمہ) بانسبن سے جب سے کاٹے ہیں مجھے   مرد و زن روتے ہیں رونے سے مرے (سید الصوفیہؒ)

بانسری زار و قطار بیان کر رہی ہے کہ جب سے مجھے اپنے بن سے کاٹ کر جدا کر دیا گیا ہے میں اپنے درد فرقت کا اس دردناک انداز میں اظہار کر رہی ہوں کہ میری آہ و فغاں سن کر مرد اور عورت سب بھی رونے لگے ہیں۔

جن قصص و حکایات اور خود پر بیتے واقعات کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے شعری پیکر دیا ہے اور آخر میں سبق آموز نتائج اخذ کئے ہیں انکی تعداد خاصی زیادہ ہے۔ ان میں سے بطور نمونہ معدودے چند کا یہاں تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱) حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے بعد علم کی صحیح حقیقت سے آگاہی کا انکشاف اور پیر کامل کی صحبت نے کیا سے کیا بنا دیا اسکا اعتراف مولانا نے اپنے دیگر دو اشعار میں اسطرح کیا۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد   ہیچ آہن خنجرِ تیزے نہ شد

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم   تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

یعنی ہر ادنیٰ چیز اپنے سے آپ اعلیٰ نہیں بن جاتی۔ ہر لوہا یوں ہی تیز خنجر نہیں بن جاتا۔ اسی طرح جلال الدین کو بھی مولائے روم کا مرتبہ اس وقت تک نصیب نہیں ہوا جب تک کہ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا غلام بننے کا اسے شرف حاصل نہ ہوا۔ اسکے بعد پیر و مرشد کے ارشاد کو اپنے ایک شعر مثنوی میں اس طرح سمو دیتے ہیں۔

قال را بگذار و مردِ حال شو   پیش مرد کاملے پامال شو

حق تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کیلئے قیل و قال چھوڑو اور کسی مرد کامل کی نسبت و وابستگی سے صاحب حال بن جاؤ تب ہی حق رسی ممکن ہے۔

۲) سلطان بلخ حضرت ابراھیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے دنیاوی سلطنت کو خیر باد کر کے راہِ خدا میں نکل جانے اور ابدی باطنی حکومت حاصل کرنے کا منظوم واقعہ بیان کرتے ہوئے دنیا سے برائے نام سروکار رکھنے کی یوں ہدایت دیتے ہیں

آپ در کشتی ہلاک کشتی است　　　　آب اندر زیر کشتی پشتی است

یعنی دنیا کی مثال پانی کی سی ہے۔ جسطرح پانی کشتی کے نیچے ہو تو روانی و سلامتی کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن وہی پانی اگر کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو ہلاکت و تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔

۳)　طوطی اور بقال کی حکایت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔

کارِ پاکاں را قیاسِ خود مگیر　　　　گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

یعنی اے عزیز ! پاک و پاکیزہ اللہ والوں کے معاملہ کو اپنے جیسا مت قیاس کر۔ بظاہر لکھنے میں شیر (دودھ) اور شیر (درندہ) کے الفاظ بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں مگر دونوں میں دیکھو تو کتنا بڑا فرق موجود ہے کہ

شیر آن باشد کہ مردم می خورد　　　　شیر آں باشد کہ مردم را خورد

یعنی شیر بمعنی 'دودھ' وہ ہے جسے آدمی اپنی غذا بناتا ہے مگر شیر بمعنی 'درندہ' وہ ہے جو آدمی کو اپنی غذا بنالیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اولیاء اللہ کو ہم اپنی طرح قیاس نہ کریں کیونکہ وہ کئی خداداد تصرفات کے مالک اور روحانی کمالات کے حامل ہوا کرتے ہیں بقول مولانا۔

اولیاء راہست قدرت از الٰہ　　　　تیر جستہ باز آرندش ز راہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کرام کو ایسی قدرت و اختیار سے سرفراز کیا ہے کہ فضا میں چھوڑے ہوے تیر کو راستے سے وہ واپس پلٹا لیتے ہیں۔ ان کے فیض صحبت کا یوں ذکر فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء　　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یعنی اولیاء اللہ کی ایک صحبت میں گذرا وقت تو ایک سو سال کی ایسی اطاعت و عبادت سے بہتر ہے لہٰذا جو ریا اور دکھاوے سے پاک ہو۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا　　　　او نشیند در حضور اولیاء

یعنی جو کوئی خدا کی ہم نشینی چاہتا ہے ' تو اسے چاہئے کہ اولیاء اللہ کی پیشی میں بیٹھے۔

۴)　ایک بادشاہ کے پاس چینی اور رومی فنکاروں کی جانب سے اپنا اپنا فن دکھانے کا جو مظاہرہ کیا گیا تھا جبکہ چینیوں نے ایک دیوار پر رنگ و روغن اور قلم و برش کے ذریعہ حیرت انگیز نقش و نگار بنائے لیکن اسکے مقابل کی دیوار پر رومیوں نے محض صیقل گری کے ذریعہ اپنی دیوار کو آئینہ کی طرح مجلی و مصفی بنادیا جس کے اندر چینیوں کا ایک ایک نقش اور گل بوٹا واضح اور بعینہ نظر آنے لگا اس واقعہ سے یوں سبق حاصل فرماتے ہیں۔

رومیاں آں صوفیانند اے پسر　　بے زِ تکرار و کتاب و بے ہنر

یعنی رومیوں کی مثال صوفیوں جیسی ہے کہ یہ حضرات بھی اپنے دل کی صفائی میں ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں اور کسی حجت و تکرار یا کتاب و ہنر کے بغیر انکے قلوب اخلاق حمیدہ کے نقوش وانوار سے ہمیشہ جگمگاتے ہیں۔

۵)　صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ضیافت کے دوران آگ کے شعلوں سے دہکتے تنور میں خادمہ کی جانب سے دستر خوان ڈالنے کے باوجود اسکے نہ جلنے اور محفوظ رہنے کے واقعہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔

گفت زانکہ مصطفیٰ دست و دہاں　　بس بمالید اندریں دستار خواں

یعنی حضرت انسؓ نے کہا کہ یہ دستر خوان اسلئے جلنے سے محفوظ رہا کہ دست و دہانِ مصطفیٰ سے لمس کا اسکو شرف حاصل ہوا تھا۔ گویا حضور اکرم ﷺ کے مقدس ہاتھ اور مبارک لبوں کے دستر خوان کو صرف چھو لینے کی برکت سے اس پر آگ سے جلنے کا کوئی اثر نہیں ہو سکا۔

اے دلِ ترسندہ از نار و عذاب　　باچناں دست و لبے کن اقتراب

یعنی وہ شخص جس کا دل نارِ دوزخ اور اسکے عذاب سے خوف زدہ ہو تو اسکو چاہئے کہ ایسے مبارک ہاتھوں اور لبوں کا قرب حاصل کرے تو پھر وہ بھی محفوظ ہو جائیگا۔

۶)　آپ نے اس واقعہ کو بھی بڑے متاثر کن انداز میں منظوم کیا ہے جس میں دشمن رسول ﷺ ابو جہل اپنی ہتھیلی میں کنکریاں چھپا کر حضور اکرم ﷺ سے پوچھتا ہے کہ اگر آپ نبی ہیں تو بتایئے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ رسول کائنات ﷺ کی ایک نظر فیض اثر کی بدولت حق تعالیٰ نے ابو جہل کے ہاتھ میں چھپے سنگریزوں کو جان دی پھر زبان بھی عطا کی اور ان کی زبان سے کلمہ ایمان و شہادت بھی پڑھوایا۔

چوں شنید از سنگہا بو جہل ایں　　زد ز خشم آں سنگہا را بر زمیں

یعنی ابو جہل نے کنکریوں سے کلمہ شہادت سنا تو پھر غصہ سے انکو زمین پر دے مارا۔

فارسی زبان کی جن چار کتابوں کو سب سے زیادہ عالمی شہرت و مقبولیت حاصل ہوی ان میں ایک "گلستان سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ" دوسرے "شاھنامہ فردوسی"، تیسرے "دیوان حافظ رحمۃ اللہ علیہ" اور چوتھی "مثنوی شریف مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ" ہے۔ مگر ان چاروں میں مثنوی معنوی کی بے پناہ مقبولیت ان سب پر سبقت لے گئی اور دیگر تینوں کتابوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ سے قبل بھی متعدد مثنویاں لکھی گئیں مثلاً تصوف پر پہلی منظوم کتاب

"حدیقہ" حکیم سینائی نے لکھی اسکے بعد "الھی نامہ" بھی لکھا۔ اسکے علاوہ خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف مثنویوں میں خصوصاً "مصیبت نامہ" اور "منطق الطیر" کو بڑی شہرت حاصل ہو چکی تھی لیکن مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی معنوی کو جو عظیم مقبولیت نصیب ہوئی اسکا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کا یہ عارفانہ کلام گذشتہ سات صدیوں سے نہ صرف امت مرحومہ کی اخلاقی اصلاح اور روحانی تربیت کا فریضہ عظمیٰ انجام دے رہا ہے بلکہ آج کے اس سائنسی فروغ یافتہ دور میں بھی ہر مکتب فکر و عقیدہ کے حامل دنیا بھر کے دانشوروں کیلئے سرچشمہ فیضان بنا ہوا ہے جس کو قبول کرتے ہوئے نہ صرف ہزاروں اصحاب نے اسلام کو اپنے سینہ سے لگایا بلکہ آج تک اسکا سلسلہ جاری ہے۔ برصغیر ہند و پاک کے دانشوروں میں شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی افکار رومی سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ انھوں نے اپنے سارے علمی فیضان اور عرفانی وجدان کو عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ممنون قرار دیا ہے۔ مزید یہ کہ عرفانیات کی دنیا میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو ڈاکٹر اقبال نے اپنا پیر و مرشد اور خود کو ان کے مرید صادق ہونے کا کھلا اعتراف اپنی ایک نظم "پیر و مرید" میں بھی کیا ہے جہاں اقبال اپنے کو مرید ہندی کہنے میں فخر و ناز محسوس کرتے ہیں نیز مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو پیر رومی کے مبارک لقب سے یاد کرتے ہوئے اپنا بھرپور خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں۔

گذشتہ سات صدیوں میں مثنوی شریف نے کئی صاحبان علم و دانش کو اپنی طرف متوجہ کیا تو اسکے متعدد زبانوں میں کئی تراجم، حواشی اور شروح لکھی گئیں۔ صاحب "کشف الظنون" نے ان کی تفصیلی فہرست دی ہے جن میں قابل ذکر حسب ذیل ہیں۔

۱) کمال الدین حسین خوارزمی (وفات قریب ۸۴۰ ہجری) فارسی شرح بنام "کنوز الحقائق فی رموز الدقائق"

۲) شیخ حسین بن علی الکاشف واعظ بیہقی (وفات ۹۱۰ ہجری) کی ترکی میں شرح بنام "اللّباب" نیز "المعنوی فی انتخاب المثنوی" اور "جواھر الاسرار و زواھر الانوار" فارسی وغیرہ

۳) مولیٰ یوسف المولوی المعروف بہ "سینہ چاک" (وفات ۹۵۳ ہجری) کی چھ جلدوں میں منتخبہ اشعار کی شرح "جزیرة المثنوی"

۴) مولیٰ مصطفیٰ بن شعبان المعروف بہ سروری (متوفی ۹۶۹ ہجری) کی فارسی شرح۔

۵) شیخ اسمٰعیل انقروی (وفات ۱۰۴۲ ہجری) کی چھ جلدوں میں شرح موسومہ "فاتح الابیات"

علاوہ ازیں مولانا شبلی نعمانی نے اپنی مرتبہ "سوانح مولوی روم رحمۃ اللہ علیہ" میں بحر العلوم عبد العلی، ولی محمد محمد افضل الہ آبادی اور محمد رضا وغیرہ کے بھی شارحین مثنوی کی حیثیت سے نام لئے ہیں۔

لیکن چودھویں صدی ہجری (بیسویں صدی عیسوی) کے اواخر میں "مثنوی شریف" پر تازہ ترین تحقیق انجام دینے کا سہرا جرمنی نژاد (ارفرٹ کی متوطن) ایک خاتون دانشور ڈاکٹر انیمری شمیل (پیدائش ۱۹۲۲ء) ANNEMARIE SCHIMMEL کے سر جاتا ہے جسکو جرمنی ' انگریزی ' فرانسسی اور ترکی کے علاوہ عربی و فارسی زبانوں پر بڑا عبور حاصل ہے اور جو کئی یونیورسٹیوں میں پروفیسر بھی رہ چکی ہے۔ اس نے "مثنوی رومی رحمۃ اللہ علیہ" کے گہرے مطالعہ کے بعد لکھے گئے اپنے تحقیقی مقالہ پر نہ صرف ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی بلکہ عرفانیات رومی سے بے حد متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات کو اپنا نصب العین بنالیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۹۵ء عیسوی میں منعقدہ فرانک فرٹ میں کتابوں کی نمائش کے موقع پر حکومت جرمنی کی جانب سے ڈاکٹر انیمری شمیل کو اسکے تحقیقی کارناموں پر اس باوقار انعام سے نوازا گیا جو عالمی نوبل انعام سے بھی زیادہ گراں قیمت ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ موصوفہ کی ایک قابل قدر انگریزی تصنیف کے مطالعہ کا موقع ملا جسکا نام ہے "MYSTICAL DIMENSIONS OF ISLAM" (۵۱۲) صفحات پر مشتمل اس ضخیم کتاب میں اسلامی تصوف پر بڑی وسیع و وقیع معلومات تحقیق کے ساتھ جمع کی گئی ہیں جن میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ایک مضمون شامل ہے۔ کتاب کے حواشی پر لندن' میونخ' انقرہ ' نیویارک' برن' ویانا ' لاہور اور پیرس سے شائع شدہ مثنوی شریف کے متعدد تراجم و شروح کی تفصیل بھی دی گئی ہے جو ۱۸۵۷ء تا ۱۹۷۵ء عیسوی کے درمیان زمانہ میں لکھی اور شائع کی گئیں اور ان میں زیادہ تر مستشرقین یعنی غیر مسلم مترجمین و شارحین کی خاصی تعداد شامل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ تاثر بھی دیا گیا ہے کہ مثنوی معنوی پر مغربی زبانوں کے مقابل میں فارسی اور ترکی زبانوں میں زیادہ تحقیقی کام ہوا ہے۔ فاضل ڈاکٹر صاحبہ آگے رقمطراز ہیں کہ سترھویں صدی عیسوی میں ترکی سے مثنوی شریف کی تین مشہور شرحیں شائع ہوی ہیں جن میں شیخ اسمٰعیل انقروی (وفات ۱۶۳۱ء) کی شرح آج بھی سب سے بہترین قرار دی جاتی ہے۔ اسکے ایک صدی بعد دوسری شرح اسمٰعیل حقی برسلی (وفات ۱۷۲۴ء) نے لکھی اور تیسری کتاب میں سلیمان نحیفی (وفات ۱۷۳۸ء) نے تو پوری مثنوی کا ترکی زبان میں منظوم ترجمہ کیا اور یہی دراصل بیرونی زبان میں مثنوی کا سب سے پہلا مکمل ترجمہ بھی ہے۔ اسکے بعد برصغیر ہندوپاک میں بھی اردو' پنجابی اور سندھی زبانوں میں کئی تراجم اور شرحیں شائع ہوے۔

مثنوی رومی" سے متاثر ہونے کے بعد ڈاکٹر انیمری شمیل نے اپنے تاثرات یوں قلمبند کئے ہیں

"Rumi's strength came from his love; a love experienced in human terms but completely grounded in God. No one has disclosed the deepest secrects of mystical prayer as he

did; he felt that every prayer was in itself on act of de-vine grace, and he felt himself open to this divine grace."

ترجمہ: "عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کا جذبۂ عشق ہی آپ کی طاقت کا سرچشمہ ثابت ہوا۔ وہ جذبۂ عشق جو انسانی اعتبار سے محسوس تو ہوا لیکن اسکے پیچھے کامل نصرت و تائید الٰہی کار فرما تھی۔ آپ نے اپنی عارفانہ عبادت کے راز ہائے سربستہ کا جس انداز میں انکشاف فرمایا ہے ویسا کسی نے بھی نہ کیا۔ آپ نے یہ محسوس کیا تھا کہ ہر عبادت کے اندر خود رحمت ایزدی کار فرما ہوا کرتی ہے اور آپ کا یہ بھی احساس تھا کہ رحمتِ ایزدی کا باب آپ پر وا کر دیا گیا تھا۔"

بہر حال اپنی الہامی مثنوی شریف کی صوری شکل میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے معنوی طور پر ایک ایسی شمعِ عرفان فروزاں کی جسکی تابانیاں کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آتیں یا پھر آپ نے معرفت کے گلہائے رنگا رنگ سے سجا ایک ایسا سدا بہار چمن لگایا ہے جسکی خوشبو ہمیشہ ہمیشہ مشامِ ایمان اور ایوانِ عرفان کو عطر بیز کرتی رہیگی۔ مثنوی معنوی ایک ایسا سرمدی پیام ہے جو بندہ کو اپنے رب سے ملنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ اسکا کام فصل نہیں بلکہ وصل ہے، 'فراق نہیں بلکہ وصال ہے' 'توڑنا نہیں بلکہ جوڑنا ہے' 'بعد نہیں بلکہ قرب ہے اور اسی جذب و اشتیاق کی غمازی خود مولانا رومؒ کا یہ شعر کر رہا ہے ۔

تو برائے وصل کردن آمدی ‏ ‏ ‏ ‏ نے برائے فصل کردن آمدی

المختصر مثنوی شریف تصوف و عرفان کا ایک ایسا بحر ناپید اکنار ہے جسکی گہرائیوں میں غوطہ لگانے والے ہمیشہ علم و حکمت کے آبدار موتیوں اور تابناک جواہرات سے مالا مال ہوتے رہینگے جن کا شمار یا احاطہ ناممکن ہے بقول مولانا رحمۃ اللہ علیہ

گر شود بیشا قلم دریا مدید ‏ ‏ ‏ ‏ مثنوی را نیست پایاں نے یدید

یعنی درخت سب قلم بن جائیں اور دریا روشنائی بن جائے تب بھی مثنوی معنوی میں حکمت اور الہامی عرفانیات کے جو نکات ہیں ان سب کو قلمبند کرنا اور انکی تشریح کرنا محال ہے کیونکہ انکی نہ حد ہے اور نہ انتہا۔ اس شعر میں دراصل اس قرآنی آیت کی ترجمانی کی گئی ہے "ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمت اللہ (لقمان۔۲۷) یعنی اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم بن جائیں اور سمندر اسکی سیاہی ہو، اسکے پیچھے سات سمندر اور ہوں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہو نگی۔ گویا اللہ عزوجل کی قدرت کے خزانے میں موجود علم و حکمت کے انمول جواہرات بے حد و بے شمار ہیں جسکا احاطہ کسی بھی پیمانہ کے

ذریعہ ناممکن ہے۔

دوسرے شعر میں تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر بگویم تا قیامت زیں کلام   صد قیامت بگذرد واں ناتمام

یعنی میرا یہ صوفیانہ کلام اسقدر رو قیع اور وسیع ہے کہ ایک قیامت تو کیا ایسی ایک سو قیامت بھی برپا ہو جائیں تو یہ کلام نامکمل ہی رہے گا۔

ایسی صورت میں مجھ جیسے کم بضاعت درویش کی کیا بساط و ہمت ہو سکتی ہے کہ ساری مثنوی شریف کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے اسکے ہر پہلو پر روشنی ڈالوں۔ لہٰذا اس دعا خیر پر ہی اکتفا کرتا ہوں کہ رب العزت ہمیں حق کوشی و حق شناسی اور خدا رسی و خدار سائی کا جذبہ صادق عطا فرمائے اور اپنے انوار و تجلیات سے ہمارے قلوب کو روشن فرمادے۔ من عرف نفسه کے جادۂ حق پر گامزن فرما کر ہمیں فقد عرف ربه کی منزل مقصود تک پہنچادے آمین ثم آمین برحمتك یا ارحم الراحمین بجاه سیدالانبیاء والمرسلین سیدنا محمدن الرؤف الامین صلی الله علیه وعلی اٰله الطاهرین واصحابه اجمعین والحمدلله رب الغلمین۔فقط

نوٹ :۔مقالہ ہذا کی تیاری میں حسب ذیل کتب سے راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا۔

۱) نفحات الانس — از مولانا عبد الرحمٰن جامی علیہ الرحمہ

۲) کشف الظنون — از مولیٰ مصطفیٰ بن عبد اللہ رومی المعروف بہ حاجی خلیفہ

۳) مناقب العارفین — از شمس الدین احمد الفلکی

۴) سوانح مولوی روم رحمۃ اللہ علیہ — از مولانا شبلی نعمانی

۵) رسالہ در احوال مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ — از فریدوں احمد سپہ سالار

۶) مثانی الصوفی علی مثنوی الرومی رحمۃ اللہ علیہ — از سید الصوفیہ مفتی سید شاہ احمد علی صوفیؒ

۷) کتاب مرقوم شرح مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ — از عبد الرحمٰن دہلوی

۸) Mystical Dimensions of Islam

by

Dr. Annemarie Schimmel

مجلس عاملہ کل ہند جمعیۃ المشائخ

مولانا قاضی سید شاہ اعظم علی صوفی قادری	صدر	فون 4562636
مولانا سید شاہ مظہر حسینی صابری سجادہ نشین	مشیر اعلیٰ	فون 4525254
مولانا سید شاہ وجیہ اللہ حسینی ملتانی	مشیر اعلیٰ	فون 4604725
مولانا سید شاہ حبیب پاشاہ قادری مخدومی سجادہ نشین	نائب صدر	فون 4576338
مولانا محمد اعظم الدین صدیقی قدیری	معتمد	فون 4563832
مولانا شاہ محمد فیض اللہ عبد الباری چشتی قادری	شریک معتمد	فون
مولانا سید شاہ شمس الدین قادری	خازن	فون
مولانا سید شاہ احمد کلیم اللہ قادری سجادہ نشین	معزز رکن	فون 4015229
مولانا سید شاہ کاظم پادشاہ قادری سجادہ نشین	معزز رکن	فون 4529395
مولانا سید شاہ محمد عارف الدین جیلانی سجادہ نشین	معزز رکن	فون 4440700
مولانا سید شاہ احمد نور اللہ حسینی قادری سجادہ نشین	معزز رکن	فون 4549903

جمعیۃ کی دیگر شاخیں

کرناٹک: ۱) گلبرگہ ۲) رائچور ۳) بلاری ۴) بیدر

مہاراشٹرا: ۵) اورنگ آباد ۶) پربھنی ۷) شولاپور ۸) جالنہ

آندھرا پردیش: ۹) محبوب نگر ۱۰) سنگاریڈی ۱۱) نظام آباد ۱۲) میدک

۱۳) نلگنڈہ ۱۴) کرنول ۱۵) اودنی ۱۶) تانڈور